ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

رضیہ بٹ کا تاریخی شعور بحوالہ "بچھڑے لمحے"

(i) آسیہ راج
(ii) راج محمد آفریدی
(iii) فریدہ عثمان
(iv) فاطمہ حیات

ABSTRACT

Razia Butt was a well-known Urdu writer. She wrote 51 novels and 6 collections of short stories. She also wrote her memories, which have been published periodically in daily "Nawa e Waqt", it was published in book form in 2001. In this research paper, historical insights of Razia Butt in her autobiography "Bichre Lamhe" are analyzed. in her autobiography, she gives a definite and interesting account of history. Not only did she open her entire life in front of readers, she also described in detail 1947 war of independence, 1965 war with India and 1971 war (Saqoot e Dhaka) and the history of Khyber Pakhtunkhwa. In this way, it is also a historical document.

Key words:

Autobiography,memories,history,novels,shortstory,Khyber Pakhtunkhwa, historical document.

رضیہ بٹ کا تعلق کشمیری گھرانے سے تھا۔ ان کی پیدائش تو پنڈی میں ہوئی، مگر والد صاحب کو کاروبار میں خسارہ کی وجہ سے پنڈی چھوڑ کر پشاور میں رہائش اختیار کرنی پڑی۔ رضیہ بٹ کی طبیعت شروع سے ہی ادب وفنون کی طرف مائل تھی۔ وہ حد درجہ جمالیاتی حس رکھتی تھیں اور اسی چیز نے آگے بڑھ کر انہیں ایک نامور ادیبہ کے مقام تک پہنچایا۔ رضیہ بٹ افسانہ، ڈرامہ اور ناول تینوں اصناف پر مضبوط گرفت رکھتی ہیں۔ انہوں نے لکھنے کا آغاز افسانہ سے کیا۔ آپ کے افسانوں کے سات مجموعے (تھوڑی سی بے وفائی، ان کہی، مجرم کون، ڈارلنگ، آئیڈیل، دکھ سکھ اپنے، رانگ نمبر) کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ رضیہ بٹ نے ریڈیو کے لیے ڈرامے لکھنے کے ساتھ کئی کامیاب ناول لکھے۔ ان ناولوں میں ناہید، نائلہ، نورین، شبو، آگ، آئینہ، انیلا، بانو، بینا، چاہت، ناجیہ، ناسور، روپ، صائقہ، زندگی، فاصلے، مہرو، میں کون ہوں، سبین اوراماں وغیرہ نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ رضیہ بٹ کے چھے ناولوں پر ڈرامے اور دس ناولوں پر فلمیں بھی بنیں ہیں، جن میں "نائلہ" اور "صاعقہ" پر نگار ایوارڈ اور گریجویٹ ایوارڈ ملا جب کہ فلم "شبو" پر بہترین کہانی نویس کا نگار ایوارڈ دیا گیا۔ تخلیقی لحاظ سے رضیہ بٹ کی شخصیت متنوع رنگوں میں نظر آتی ہے۔ ان کی ایک اہم تصنیف ان کی آپ بیتی ہے جو "بچھڑے لمحے" کے عنوان سے روزنامہ نوائے وقت میں سلسلہ وار چھپتی رہی جو ۲۰۰۱ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئی۔

ادب اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اردو ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم تاریخ کو ادب سے جدا نہیں کرسکتے، گویا ہمارے ادیب وشعراء بھی تاریخ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لیے تاریخ کا اظہار ادب کی ہر صنف میں ہوا ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں کئی واقعات وسانحات رونما ہوئے، یعنی جنگ آزادی سے قبل کے واقعات، قائداعظم ومسلم لیگ کے قیام پاکستان کے لیے دن رات کوششیں، قرارداد پاکستان، ہندو مسلم فسادات، مہاجرین کی آمد اور اس کے بعد ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ اور تقسیم پاکستان (سقوط ڈھاکہ)، ایسے تاریخی واقعات ہیں جس نے ادب پر گہرے اثرات نقش کیے۔ ہمارے ادیبوں اور شعراء نے ان تاریخی واقعات کو اپنی تخلیقات میں اس طرح سمویا کہ وہ ادب کا حصہ بن کر رہ گئی ہیں۔ اگرچہ ادیبوں کی یہ فہرست کافی طویل ہے، جن میں ایک اہم نام رضیہ بٹ کا بھی ہے۔

ادب کی دیگر اصناف کی طرح آپ بیتی کی صنف کو بھی تاریخ نے متاثر کیا ہے۔ آپ بیتی میں مصنف اپنی زندگی اور خود پر گزرے ہوئے واقعات کو بیان کرتا ہے مگر اس کے ساتھ وہ اپنے عہد کی معاشرت اور تاریخ وتہذیب کو بھی پیش کر رہا ہوتا ہے۔ یوں تو آپ بیتی اپنی ذات کی کہانی ہے۔ اپنی پیدائش سے لے کر اس دور تک جب وہ اپنی داستان لکھ رہا ہے مگر اس کے ساتھ مصنف اس زمانے کی طرز معاشرت رہن سہن اور رسوم ورواج کی کیفیات بھی قلم بند کرتا ہے۔ اس طرح وہ مستقبل کی نسلوں کے لیے اپنی اقدار کا ایک سدابہار گل دستہ پیش کرتا ہے۔

(i) لیکچرر اردو جناح کالج فاروومن، پشاوریونی ورسٹی / پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر شعبہ اردو، جامعہ قرطبہ پشاور
(ii) ماہر مضمون اردو گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول تہکال بالا پشاور / پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر شعبہ اردو، جامعہ قرطبہ پشاور
(iii) لیکچرار اردو گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج چغرمٹی پشاور / پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر شعبہ اردو، جامعہ پشاور
(iv) لیکچرار اردو گورنمنٹ گرلز کامرس شاہین عالمزیب کالج پشاور / پی ایچ ڈی، ریسرچ سکالر شعبہ اردو، جامعہ پشاور

"کہنے کو تو خود نوشت فرد واحد کی آپ بیتی ہوتی ہے اور اس میں وہ اپنی زندگی کے ذاتی واقعات، تجربات، مشاہدات اور تاثرات بیان کرتا ہے لیکن چونکہ وہ دوسروں سے غیر متعلق کسی غار میں نہیں رہتا بلکہ اس پر زمان و مکان کے سیاسی، سماجی و معاشرتی اور دیگر حالات اثرانداز ہوتے ہیں لہٰذا دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کی زندگی کی تاریخ کی ایک حیثیت مصنف کے عہد کی تاریخ بھی ہو جاتی ہے۔" 1

آپ بیتی اور تاریخ کے حوالے سے جب ہم "بچھڑے لمحے" پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں رضیہ بٹ کے سوانحی حالات کے ساتھ اس کے تاریخی شعور کے نقوش بھی واضح نظر آتے ہیں۔ اس میں رضیہ بٹ نے اپنی پوری زندگی کھول کے قارئین کے سامنے رکھ دی ہے۔ اپنے آباؤاجداد کے نسب سے لے کر اپنا بچپن، جوانی، شادی بہن بھائیوں بچوں سب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے پاکستان بننے سے پہلے کی تحریک آزادی، ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور خیبر پختونخوا کی تاریخ و تہذیب کو بھی واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح یہ آپ بیتی کے ساتھ ساتھ جگ بیتی بھی بن جاتی ہے۔

رضیہ بٹ بنیادی طور پر ایک ادیبہ ہیں۔ اس لیے تاریخ بیان کرتے وقت سپاٹ اور خشک انداز نہیں اپناتیں۔ بلکہ موقع کی مناسبت سے ان کی زبان و اسلوب میں برجستگی اور پرکاری نظر آتی ہے۔ وہ تاریخ پر اسلوب وزبان کو قربان ہونے نہیں دیتیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسلوب کے چکر میں واقعات کا خون نہیں کیا۔ گویا انہوں نے مورخ کا کردار بھی ادا کیا اور ادیب کا بھی۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

"قاری آپ بیتی کا مطالعہ اس توقع پر کرتا ہے کہ دیکھیں کیا گزری تھی قطرے پہ گہر ہونے تک! اس لیے حقیقی ہونے کے باوجود بھی اسے محض حقیقی نہ ہونا چاہیے بلکہ اس میں چیزے دگر بھی ہونی چاہیے۔۔۔۔ بگھار کے بغیر بھی دال کھائی جاسکتی ہے لیکن گھی کے بگھار سے اس میں جو فلیور پیدا ہوا ہوتا ہے وہ اسے زیادہ لذیذ اور دل پسند بنا دیتا ہے۔ بس یہی کام آپ بیتی کا بھی ہونا چاہیے کہ واقعات و کوائف کے بیان کے ماورا دلچسپی کا فلیور بھی ملے۔" 2

انہوں نے اپنی ذات کے توسط سے جب تاریخ بیان کی تو ایسی تاریخ مرتب ہوتی گئی جس میں سچائی کا رنگ غالب نظر آیا۔ رضیہ بٹ نے تاریخ کا اصل رخ پیش کیا۔ مؤرخ کئی زاویوں سے تاریخ کو پیش کرتا ہے اور ضروری نہیں کہ وہ خود ان واقعات کا حصہ رہا ہو۔ اس آپ بیتی کی تاریخی اہمیت اس حوالے سے ہے کہ اس میں مورخ یعنی مصنفہ خود عینی شاہد ہیں۔

تحریک پاکستان میں مصنفہ خود ایک باعمل رکن کی حیثیت سے شریک کار تھیں۔ لیکن ان کا کسی مسلک، تنظیم یا کسی تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ اس میں سیاسی رنگ کے آثار نمایاں ہیں۔

رضیہ بٹ نے قیام پاکستان میں خیبر پختونخوا کی خواتین کی کارکردگی، ان کی جدوجہد اور قربانیوں کو خوب صورتی سے تاریخ کا حصہ بنایا۔ ان خواتین میں خود رضیہ بٹ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ رضیہ بٹ لکھتی ہیں کہ خیبر پختونخوا کی خواتین نے مسلم لیگ کی تحریک اور قیام پاکستان میں ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔ کس طرح ان خواتین نے گھر گھر جا کر چندہ اکٹھا کیا، کتنے جلوس کا انعقاد کیا۔ لوگوں میں شعور و جذبات اجاگر کرنے کے لیے تقاریر کیں۔ مختلف مقامات پر ووٹنگ کے دوران مسلم لیگ کی جیت کو یقینی بنایا۔ یہاں تک کہ جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ مصنفہ نے ان خواتین کی ناقابل فراموش جدوجہد، بہادری اور بلند ہمتی کو خوب صورتی اور تسلسل سے بیان کیا:

"ہم نے گھر گھر جا کر عورتوں کو جلسوں میں حصہ لینے کی استدعا کی تھی۔ سمجھایا تھا۔ منت سماجت کی لاہور میں عورتوں کو جلسوں میں بلانا شاید مشکل نہیں تھا۔ لیکن پشاور جیسی جگہ جہاں پردے کا رواج تھا۔ اب تک بھی عورتیں ڈولیوں میں کہیں آتی جاتی تھیں۔ تانگوں میں جاتیں تو آگے پیچھے چادریں باندھ کر پردے لگائے جاتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی۔ لوگ ایک الگ مسلم مملکت کی اہمیت کو سمجھ رہے تھے۔ اس لئے ان جلسوں میں عورتوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی۔" 3

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

رضیہ بٹ کے ہاں تاریخ کے حوالے سے فکر کا ایک مرکز موجود ہے۔ وہ اپنے ماضی اور اپنی روایت کا گہرا شعور رکھتی ہیں۔اپنے تجربات کو انہوں نے اظہار کا روپ دیا۔۱۹۴۵ء میں قائداعظم کا دورہ پشاور ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے، جسے پاکستان کی تاریخ لکھتے وقت کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسی تاریخ کو رضیہ بٹ نے بھی اپنی آپ بیتی کا حصہ بنایا کہ پڑھنے والا خود کو اسی منظر کا ایک کردار محسوس کرنے لگتا ہے۔ قائداعظم کا پر جوش استقبال کرنے والوں میں ایک ایسا نوجوان بھی شامل تھا، جو بے انتہا عقیدت اور محبت کی وجہ سے قائداعظم کی گاڑی کے سامنے سڑک پر لیٹ گیا تھا اور جنونی انداز میں نعرے لگا رہا تھا:

"گاڑی رش کی وجہ سے رک رک کر رینگ رہی تھی۔ کہ اچانک دیکھا ایک نوجوان لوگوں کو دھکیل کر گاڑی کے سامنے سڑک پر لیٹ گیا۔ وہ جنونی انداز میں نعرے لگا رہا تھا۔ اس کی فرمائش تھی کہ گاڑی اس کے اوپر سے گزرے کچھ دیر ہجوم رکا رہا۔ بھیڑ اور بڑھ گئی اس شخص کو اٹھانے کی کوششیں کی گئیں۔ لیکن اس نے اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ پھر شاید قائداعظم نے اسے کوئی پیغام دیا۔ تب وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور قائد کی گاڑی کے قریب قائد نے اس سے ہاتھ ملایا۔ تھپکی دی اور جانیں کیا باتیں کیں پھر لوگ اسے گاڑی سے زبردستی ہٹا کر لے گئے۔"4

ایک ادیب اور مورخ کی تاریخ میں بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ مورخ ایسی جزئیات میں نہیں جاتا، جب کہ آپ بیتی نگار ان جزئیات کو بھی بہت تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ رضیہ بٹ نے اپنی خودنوشت میں اس اہم واقعہ کو لکھ کر محفوظ کر لیا ہے، جو ایک مورخ کی نظر سے اوجھل رہا تھا۔ بچھڑے لمحے میں مصنفہ کی سنجیدہ تاریخی تصور کے نشانات بہ آسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ اس سفر میں پیچھے نہیں رہتیں۔ تاریخی حوالے سے ان کی آواز جذباتی طور پر الگ پہچانی جاتی ہے۔

پشاور میں سول نافرمانی کی تحریک میں بھی وہاں کی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتیں خود سرکاری عمارتوں پر حملہ آور ہوتیں۔ اس تحریک میں مصنفہ کی بہن نذیر نیاز نے بھی بہت جدوجہد کی۔ مصنفہ نے ان خواتین اور خاص کر نذیر نیاز کا وہ تاریخ ساز کارنامہ درج کیا ہے کہ ان کی آپا نذیر نے اسمبلی ہال پر لگا یونین جیک اتار کر کسی لڑکی کا سبز دوپٹہ لہرایا تھا۔ وہ لکھتی ہیں:

"اس عمارت پر چڑھنا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اس کی اونچی دیواریں سیدھی تھیں۔ عورتوں نے اس عمارت پر چڑھنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک مسلمان سپاہی نے جانے کہاں سے سیڑھی لا کر چپکے سے پچھلی طرف لگا کر آپا کو مطلع کیا۔ آپا ان کے ساتھ سردار حیدر اور دو چار اور لڑکیاں ادھر دوڑیں۔ پہلے آپا پھر سردار حیدر اور ان کے پیچھے دو تین اور لڑکیاں بھی اوپر چڑھ گئیں۔ نیچے عمارت کے اندر عورتوں اور اس کے باہر مردوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ یہ سب لڑکیاں سروں پر لمبے برقعے پہنے عمارت کی اگلی منزل پر بھی جا پہنچیں۔ پھر سردار حیدر گھوڑا سا بنیں اور آپا نے اس کی کمر پر چڑھ کر ڈنڈے پر لہراتا انگریزی پرچم نوچ کر پھاڑا اور عمارت سے باہر کھڑے ہجوم کی طرف پھینک دیا۔ پھر ساتھ ہی کھڑی لڑکی جس کے سر پر سبز دوپٹہ تھا لیا اور ڈنڈے کے اوپر باندھ دیا۔" 5

رضیہ بٹ اپنے ذاتی حالات لکھتے وقت اس دور کے انتشار کو بھی لکھتی ہیں۔ انہوں نے ہجرت کا درد بھی سہا۔ اگرچہ وہ کسی حادثہ سے محفوظ رہیں لیکن ہجرت کی تکالیف سے ضرور گزریں۔ چوں کہ ہجرت کا مصنفہ کی ذات سے گہرا تعلق تھا اس لیے انہوں نے اس پر خاص زور دیا ہے۔ انہوں نے آزادی کے اعلان کے بعد انبالہ سے پاکستان ہجرت کی۔ اس لیے اپنی ہجرت کی تکلیف دہ، خطرناک اور دہشت زدہ تاریخ کو اس کرب سے بیان کیا جہاں تک ایک مورخ کی اڑان کسی صورت ممکن نہیں۔ رضیہ بٹ بڑی شدت سے خوف و دہشت کے مناظر کو پیش کرتی ہیں، انہوں نے نہ صرف اس خوف اور تشویش کی کیفیات کو تحریر کیا بلکہ روزے اور ناقابل برداشت گرمی کی شدت کو بھی بیان کیا۔ حد درجہ گرمی، روزے کی حالت، برقعے اوڑھے ہوئی خواتین، روتے بلکتے بچے اور افطاری کے وقت پینے کے پانی تک کا میسر نہ ہونا، ایسے حالات و کیفیات تھیں جن کو انہوں نے تاریخ میں سمو کر بچھڑے لمحے کا حصہ بنایا:

"دوپہر کو تو ہر کوئی بلبلا اُٹھا۔۔۔ عورتوں نے برقعے اتار پھینکے۔۔۔۔ بچوں کو بالکل ننگا کر دیا۔۔۔۔ اس وقت جو عالم تھا، بیان نہیں کیا جاسکتا ۔۔۔ بچوں کے ساتھ جوان لڑکیاں بھی رو رہی تھیں۔۔۔ ہم لوگ بھی رونے سے بدتر ہو رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی فوجی ترس کھا کر پانی کا ٹین لا کر دے جاتا، جس پر ہر کوئی ٹوٹ پڑتا۔ استعمال سے زیادہ اس طرح پانی ضائع ہو جاتا۔ شام لنگر سے کھانا آگیا۔۔۔ ساتھ پانی بھی۔ کچھ نہ پوچھئے ہم اس کھانے اور پانی پر کیسے ٹوٹ پڑے۔۔۔ یوں لگتا تھا مہینوں سے بھوکے پیاسے ہیں۔" 6

حقیقت تو یہ ہے کہ مصنفہ نے قیام پاکستان کے بعد پیدا ہونے والی نفرت اور تعصب کے دور کی تاریخ کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے آگ و خون کی اس داستان کو سپرد قلم کیا تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک دستاویز مہیا ہو۔ بلاشبہ ادب کے سات تاریخ کے طالب علم کے لیے بھی اس آپ بیتی میں بہت مواد موجود ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

رضیہ بٹ نے اس تاریخی حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا کہ ہندو اور سکھ اپنی حفاظت کا پہلے سے ہی انتظام کر چکے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں اسلحہ اور ہتھیار مثلاً خنجر، تلوار، کلہاڑی وغیرہ جمع کر چکے تھے۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس اپنے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا ہتھیار نہیں تھا۔ اسلحہ کے نام پر سبزیاں کاٹنے والی چھری، چارپائیوں کے پائے اور ڈنڈے ہی تھے۔ وہ تاریخ کو بغیر پرکھے اور جانچے تحریر میں نہیں لاتیں۔ کیوں کہ ان کا بنیادی مقصد جوانوں کو تاریخی حقائق سے آگاہ کرنا اور ان کے تاریخی شعور کو اجاگر کرنا تھا۔

بچھڑے لمحے میں مصنفہ نے ۱۹۴۷ء کے فسادات اور ان محرکات پر تاریخی بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے لیکن یہ تاریخ یک رخی اور ایک طبقہ کی نہیں ہے۔ اس میں انہوں نے جہاں ہندوؤں اور سکھوں کے مظالم اور بربریت کو بیان کیا، وہاں اس کے رد عمل میں ہونے والے مسلمانوں کے مظالم کو بھی قلم بند کیا ہے۔ وہ اس سچائی کو تحریر کرتی ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا بدلہ، پاکستان میں موجود ہندوؤں اور سکھوں سے لینا مسلمانوں نے اپنا حق سمجھا۔ انہوں نے واقعات اور حقائق کو صحیح تناظر میں سچائی کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئیں۔ یہی واقعات ان کے تاریخی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ تاریخ لکھتے وقت صداقت پر کسی صورت میں سمجھوتہ نہیں کیا جانا چاہیے کیوں کہ اس طرح نہ صرف واقعات بلکہ شخصیات کی بھی اصل صورت مسخ ہو جاتی ہے:

> "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ کو اگر شہادت اور صداقت سے نہ لکھا جائے، تو یہ لوگوں کو موقع دیتا ہے کہ وہ واقعات اور شخصیتوں کو اپنی مرضی وخواہش کے مطابق ڈھال لیں۔ اس صورت میں اصل واقعہ اور شخصیت روایت کے دائروں میں گم ہو جاتی ہے اور تاریخ حقیقت سے دور اپنی اصل شکل وصورت کھو دیتی ہے۔" 7

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ اور سقوط ڈھاکہ ایسے تاریخی واقعات ہیں، جس نے پاکستان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ رضیہ بٹ نے ان عظیم سانحات کو تحریر کر کے تاریخ کو محفوظ کر لیا ہے۔ انہیں ان جنگوں کا مشاہدہ اور تجربہ حاصل تھا، اس لیے وہ ان واقعات کے رونما ہونے کی وجوہات کے ساتھ ساتھ ان کے اثرات پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ واقعات لکھتے وقت وہ خارجی حالات کے ساتھ داخلی کیفیات کو بھی تحریر کرتی ہیں۔ اس طرح وہ اس دور کی سیاسی، معاشرتی اور جنگی رویوں کو بھی بیان کرتی ہیں۔ ایک بہترین مؤرخ وہی ہے جو جنگ کے حوالے سے قومی شعور کی بیداری کی ترجمانی کر سکے۔ اس حوالے سے رضیہ بٹ اس پر پورا اترتی ہیں۔ انہوں نے تاریخ بیان کرتے ہوئے قوم میں پاکستان کی سالمیت اور آزادی کے تحفظ کا شعور بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری لکھتے ہیں:

> "تاریخ خود بینی، خودگری اور خودسازی کے عمل کے لیے ایک آزمائش بھی ہے اور علم و آگہی کا ایک وسیلہ بھی، یہ حال واستقبال کو ماضی کے ساتھ مربوط کر کے قوموں میں وقت کی کلیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔" 8

اسی طرح مصنفہ نے سقوط ڈھاکہ کی وجوہات، سازشوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والے اثرات کو بھی آپ بیتی میں تحریر کیا۔ قیام پاکستان ایک ایسا انقلاب تھا جو ہزاروں لاکھوں لوگوں کی قربانی کے بعد رونما ہوا لیکن ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان کی علاحدگی ہماری تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہے، جو اچانک واقع نہیں ہوا بلکہ اس کے پیچھے کئی اسباب و محرکات تھے۔ سقوط ڈھاکہ کا سانحہ ایسا زخم دے کر گیا جو آج بھی رس رہا ہے۔

رضیہ بٹ نے پاکستان کو بنتے، بگڑتے، ٹوٹتے اور پھر سنبھلتے دیکھا ہے۔ انہوں نے جذبوں کی بہار بھی دیکھی اور ان پر آنے والی خزاں بھی۔ ماضی صرف گزرے ہوئے زمانے کا نام نہیں بلکہ گزری ہوئی یادگار کامیابیوں اور ناکامیوں کی کہانی بھی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہم نے بڑی شان سے کامیابی حاصل کی لیکن ۱۹۷۱ء میں اندرونی سازشوں کی وجہ سے ہمیں اپنے ملک کے ایک حصے سے محروم ہونا پڑا۔ مصنفہ اس جنگ کا ذکر کرتی ہیں کہ یہ ان کی دوسری جنگ تھی جو دیکھ رہے تھے۔ اس بار بھی اس جنگ میں ان کے بھائی اور دیگر رشتہ دار حصہ لے رہے تھے کیوں کہ سب پاک فوج میں بھرتی تھے۔ وہ لکھتی ہیں:

> "جس دن جنگ شروع ہوئی اس دن ہم نصرت کے ساتھ چندہ مہم پر نکلے ہوئے تھے۔ واپس گھروں کی طرف آ رہے تھے کہ زن سے دو ہوائی جہاز گزرے ان کے تعاقب میں بھی ہوائی جہاز تھے۔ ہم جان گئے کہ جنگ چھڑ گئی ہے۔ جلدی جلدی گھروں کو لوٹے۔ تب شام کی خبروں میں اعلان جنگ کا پتہ چلا۔ ہم یہ دوسری جنگ دیکھ رہے تھے۔ اس جنگ میں پھر میرے تینوں بھائی، کزن افضل، چچازاد بہن اختر کے داماد آفتاب اور دور قریب کے کئی عزیز شریک تھے۔ افضل ان دنوں کرنل تھے۔ آفتاب بھی۔ دونوں ایسٹ پاکستان میں تھے۔" 9

بچھڑے لمحے میں پشاور کی ایک پوری اور جامع تاریخ بھی سامنے آتی ہے۔ انہوں نے پشاور کی معاشرتی، تہذیبی، تاریخی اور ثقافتی زندگی کی کئی جہتوں کو پیش کیا۔ جس کے ذریعے اس دور کی تہذیب و تمدن تاریخ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ بچھڑے لمحے کے تار و پود ۱۹۴۰ء–۱۹۵۰ء کے پشاور کی بھرپور جھلک اور تہذیب و ثقافت کا خوب صورت رنگ شامل ہے۔ دراصل مصنفہ کا زیادہ وقت پشاور میں گزرا، جس کی وجہ سے انہیں پختون معاشرے کے کلچر، رسوم و رواج، رہن سہن اور لباس و خوراک کا گہرا مشاہدہ اور تجربہ تھا۔ اپنی زندگی کے انہی نقوش کو انہوں نے آپ بیتی میں تحریر کر کے تاریخ کا درجہ دیا:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

"۱۹۳۲ء میں کاروبار کے سلسلے میں رضیہ بٹ کے اباجی پنڈی سے پشاور نقل مکانی کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک لمبے عرصے تک انہیں صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور میں رہنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں صوبہ سرحد کی زندگی یعنی علم وعقائد، آرٹ، اخلاقیات، قوانین، رسوم ورواج وغیرہ ان کی زندگی پر انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔ یہاں کی زندگی اور اس کے شب وروز کو انہوں نے ایسے شگفتہ اسلوب میں بیان کیا ہے کہ ان کی خود نوشت صوبہ سرحد کی تاریخی وثقافتی زندگی کی ایک دستاویز بن گئی ہے۔" 10؎

رضیہ بٹ نہ صرف معاشرتی وسماجی ترقی کو بیان کرتی ہیں بلکہ ہمارے معاشرے سے جاتی ہوئی اقدار کو بھی پیش کرتی ہیں۔ جس طرح پہلے پشاور کے مرد لنگی یا قراقلی ٹوپی استعمال کرتے تھے، جس کا رواج اب تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ رسم، جب چھوٹے سلام کرتے تو بڑے چھوٹوں کا ماتھا چومتے اور پھر سلام کرنے والے چھوٹے ان بڑوں کا ہاتھ چومتے۔ پیار واحترام کا یہ طریقہ اب تقریباً ناپید ہو چکا ہے۔

"۔۔۔۔۔ویسے پشاور میں یہ رسم ہے کہ اپنے سے بڑوں کو جب چھوٹے سلام کریں تو بڑے چھوٹوں کا ماتھا چومتے ہیں۔ خاص کر خواتین۔ پھر سلام کرنے والے چھوٹے ان بڑوں کا ہاتھ چومتے ہیں۔ پیار واحترام کا یہ طریق پشاور میں عام ہے۔ ہم لوگوں کو بھی اس کی عادت تھی۔ میں نے تو عادتاً ساس کے ہاتھ چومے۔ لیکن میری ساس اس بات سے اتنی خوش ہوئیں کہ مجھے لپٹا لپٹا کر پیار کیا۔" 11؎

مصنفہ عید کے موقع اور دوسرے تہواروں پر پشاور میں لگنے والے میلوں کا بھی ذکر کرتی ہیں جو آج کل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس طرح شادی بیاہ اور فوتگی کے رسم ورواج کی تاریخ بھی بیان کرتی ہیں۔ مصنفہ پشاور کے لوگوں کے کھانے کے انداز، پیش کرنے کا طریقہ اور نشست وبرخاست کو بھی لکھتی ہیں، کہ تب پشاور میں زمینی نشستوں کا استعمال ہوتا تھا۔ ایک مخصوص کمرے میں قالین بچھا ہوتا، گدے پڑے ہوتے اور سب مل کر اکھٹے کھانا کھاتے۔

" تاریخی شعور کے معنی یہ ہیں کہ ہم یہ جانیں کہ ہمارا مواد ماضی میں کیا تھا اور اب کیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان کیا تعلق ہے؟ تاریخی شعور ایک طرف لمحۂ موجود کا شعور ہے، دوسری طرف لمحۂ گزشتہ کا اور تیسری طرف ان کے تعلق اور تسلسل کا۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم، ہمارا معاشرہ کل کیا تھا اور آج کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کیا رشتہ ہے۔" 12؎

مصنفہ نے پشاور کی تاریخی وثقافتی زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اگرچہ قاری کی دل چسپی پھر بھی ختم نہیں ہونے پاتی۔ انہوں نے پشاور کی سابقہ تاریخ کو لکھتے ہوئے حالیہ تاریخ وتہذیب وثقافت کو بہت سلیقے سے بچھڑے لمحے میں جمع کیا ہے۔ وہ پشاور اور اہل پشاور کے تاریخی پہلوؤں کو بھرپور انداز سے پیش کرتی ہیں۔ وہ ہماری معاشرتی، سماجی اور اقتصادی صورت حال اور مدہم پڑتی ہوئی تہذیب وثقافت کو پیش کرتی ہیں:

" پشاور میں مردوں کا لباس شلوار قمیض یا کوٹی، پشاوری چپل اور لنگی کلا یا قراقلی تھا۔ آہستہ آہستہ ملک کے دوسرے علاقوں کے لباس بھی اپنائے جانے لگے۔ انگریزوں کی حکومت تھی۔ سرکاری ملازمین پینٹ کوٹ پہننے لگے۔ لیکن اب بھی پشاور کی اکثریت اپنا وہی لباس پہنتی ہے۔ ہاں کلاہ لنگی کا رواج تقریباً ختم ہو چکا ہے اور قراقلی بھی معزز اور بزرگ لوگ پہنتے ہیں۔" 13؎

پشاور کی تاریخ میں دو نقطہ ہائے نظر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک پشاوری قوم کی اپنی مخصوص تاریخ اور دوسری ہندوؤں کی تاریخ۔ مصنفہ ۱۹۳۲ء کی پشاور کی تاریخ لکھ رہی ہیں۔ چوں کہ اس وقت ہندوستان کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، اس لیے پشاور میں ہندو بھی آباد تھے۔ اس لیے پختون تاریخ کے ساتھ وہ ہندوؤں کی تہذیب وثقافت اور رسم ورواج کا ذکر بھی کرنے لگتی ہیں۔ اس طرح انہوں نے ہندو مسلم دو مختلف قوموں کی تاریخی روایات واقدار کو پیش کیا جو یقیناً ایک دوسرے سے الگ ومختلف تھیں۔ ان کے خیال میں یہی تہذیب واقدار آنے والی نسلوں کا سرمایہ ہے۔ اس لیے اس عظیم سرمایے سے انکار کرنا کسی صورت مناسب نہیں۔ " بچھڑے لمحے " میں ان کی دل چسپی ہندی تہذیب وتاریخ میں بھی نظر آتی ہے۔ اس لیے ہمیں مختلف تہذیبوں کے اہم محرکات کا احساس ملتا ہے:

" جب ہم پشاور گئے تب گھنٹہ گھر کے ایک طرف جو سڑک جاتی تھی وہ کریم پورہ کا علاقہ تھا۔۔۔۔ اس علاقے کی نوے فیصد آبادی ہندوؤں کی تھی۔ یہاں مندر بھی تھے، دھرم شالے بھی۔ ان وقتوں میں ہندو عورتیں بھی چادر اوڑھ کر باہر نکلتی تھیں۔ چادر ماتھے تک جھکی ہوتی تھی۔ ان کے چہرے شاذ ہی نظر آتے تھے۔ ان کا لباس بھی مسلم خواتین کی طرح شلوار قمیض اور دوپٹہ ہی ہوتا۔ ساڑھی یا گھاگھرے گھروں میں پہنتی ہوں تو ہوں، باہر نہیں پہنتی تھیں۔ ہندو کافی مالدار تھے۔ ان کے مکان پکے ہوتے تھے۔ فرش ماربل کے ہوتے تھے۔ لکڑی پر رنگ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

وروغن بھی خوبصورتی سے کیا جاتا۔"14"

اس طرح دوالگ قوموں کی تہذیب وثقافت، رسوم ورواج اور رہن سہن کی تاریخ سے قوم آگاہ ہوتی ہے۔ مصنفہ نے اپنے عہد کے ان تمام زاویوں کو تاریخ کی صورت میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس وجہ سے یہ ۴۰ء کی دہائی کی ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ پشاور کی تاریخ واقدار کا تفصیل سے ذکر کر کے، اہل پشاور میں ان تاریخ واقدار کا شعور پیدا کرتی ہیں، وہ اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوتی ہیں۔

مصنفہ کا تعلق بنیادی طور پر کشمیری گھرانے سے تھا، اس لیے وہ کشمیری کلچر، تہذیب اور رسم ورواج کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ ان کی شادی بھی کشمیری خاندان میں ہوئی، اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر ہونے والے کشمیری رسوم ورواج کو تحریر کیا۔ وہاں کا کلچر اور رسوم الگ اور مختلف ہونے کی وجہ سے قاری کے لیے دل چسپی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مختلف تاریخ سے آگاہی بھی ہے۔

اس تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رضیہ بٹ کا مطمع نظر تاریخ نہیں۔ یہ الگ بات ہے آپ بیتی کے منتخب کردہ ادوار، کرداروں اور واقعات کے سبب وہ برصغیر کی تقسیم، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ، سقوط ڈھاکہ، پشاور اور دیگر علاقوں کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی اور تہذیبی تاریخ کا احاطہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان کے ہاں مکمل ماجرائیت پائی جاتی ہے، جس میں سے تاریخ کا ایک تصور خود بخود ابھرنے لگتا ہے۔

کتابیات

1۔ انور علی، تحقیق میں آپ بیتیوں کی افادیت واہمیت، مشمولہ: خیابان، شعبہ اردو جامعہ پشاور، ۲۰۱۶ء، ص:۲۸

2۔ سلیم اختر ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر (تنقیدی و تحقیقی مقالات)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۲۵۵

3۔ رضیہ بٹ، بچھڑے لمحے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۲۰۱

4۔ ایضاً، ص:۲۲۷

5۔ ایضاً، ص:۲۳۲۔۲۳۳

6۔ ایضاً، ص:410

7۔ مبارک علی ڈاکٹر، تاریخ و تحقیق، لاہور، فکشن ہاؤس، 2005ء، ص:256

8۔ اسلم انصاری ڈاکٹر، اقبال عہد آفریں، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۰۔۱۰۱

9۔ رضیہ بٹ، بچھڑے لمحے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۵۲۸

10۔ سلمان علی، ڈاکٹر، "بچھڑے لمحے" پختون کلچر کے خصوصی مطالعہ کی روشنی میں، مشمولہ: خیابان، شعبہ اردو جامعہ پشاور، ۲۰۰۶ء، ص:۱۰۴

11۔ رضیہ بٹ، بچھڑے لمحے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:306۔307

12۔ سلیم اختر ڈاکٹر، مجموعہ ڈاکٹر سلیم اختر (تنقیدی و تحقیقی مقالات)، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۸۶۶

13۔ رضیہ بٹ، بچھڑے لمحے، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۱۲۶

14۔ ایضاً، ص:۵۹